© rasailojaraid.com

مولانا محمد جعفر پھلواروی

ایک حدیث

اہلِ ایمان کی آزمائش

ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد یوں نقل کیا ہے:

ما یزال البلاء بالمؤمن والمؤمنۃ فی نفسہ و ولدہ ومالہ حتی یلقی اللہ وما علیہ خطیئۃ

مومن مرد اور مومن عورت اس کی جان، اس کی اولاد اور اس کے مال میں آزمائش ہمیشہ آتی ہی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں اس کا سامنا ہوگا کہ اس پر کوئی بارِ گناہ نہ ہوگا۔

اس حدیث کا مفہوم سمجھنے کے لیے نظامِ کائنات پر ایک نظر ڈال لینا ضروری ہے۔

اس نظامِ کائنات میں انسان کا مقام از روئے قرآن یہ ہے کہ:

لقد خلقنا الانسان فی کبد

ہم نے انسان کو کبیدگی میں پیدا کیا۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ہر قدم پہ انسان کو کچھ کوفت، کچھ آزردگی اور کچھ کبیدہ خاطری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسے ہمیشہ یا کوئی خوف رہتا ہے یا کوئی غم۔ بے فکر ہو کر انسان زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ ایسی جگہ جہاں کوئی خوف یا حزن نہ ہو صرف جنت ہی ہے۔ دنیا میں رہنا ہے تو دنیا کے ہزاروں جھمیلوں سے بھی نمٹنا پڑے گا۔ مولانا رومی نے سچ کہا ہے:

ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست — جز بہ خلوت گاہِ حق آرام نیست

سچ پوچھیے تو یہ دنیا ہے ہی آزمائش گاہ اور مصائب کدہ۔ یہاں آرام و راحت کی کوئی مستقل اور مثبت حقیقت نہیں۔ مستقل چیز وہی مصائب و ابتلا ہے اور راحت و آرام انہی آزمائشی مصائب و آلام میں کمی آ جانے کا دوسرا نام ہے۔

اس کائناتی اصول سے کوئی مستثنیٰ ہے نہ کوئی کافر، نہ کوئی متقی نہ کوئی فاسق، نہ امیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ غریب، نہ حاکم نہ محکوم۔ بیماری سب کو آتی ہے۔ مالی نقصان سے سب کو سابقہ پڑتا ہے۔ موت کی آغوش میں سبھی کو جانا پڑتا ہے۔ کوئی بلا و آزمائش ایسی نہیں جو صرف ایک قوم پر آئے اور دوسرے پر نہ آئے۔ اچھوں کو جھیلنا پڑے اور برے اس سے محفوظ ہوں جس طرح مومن وکافر سب ہی کھانے پینے، پہننے، اوڑھنے کے ضرورت مند ہیں۔ اس طرح وہ مرنے، جینے، تندرستی و بیماری، نقصان و نفع میں بھی یکساں ہیں۔ آزمائش و ابتلا کی کوئی قسم ایسی نہیں جو ایک کے لیے تو مقدر ہو اور دوسرا اس سے مستثنیٰ ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ جب کوئی انسان ابتلاؤں سے مستثنیٰ نہیں تو مومن و کافر یا صالح و فاسق میں کیا فرق ہے؟ فرق صرف زاویۂ نظر اور طرزِ عمل کا ہوتا ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے چند نکتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ دنیا کا کوئی انسان ایسا نہیں جسے ساری نعمتیں اور تمام خوشیاں حاصل ہوں۔ اور ایسا بھی کوئی انسان نہیں جس سے ساری مصیبتیں اور تمام آفتیں چھٹی ہوئی ہوں۔ ہر شخص کے ساتھ کوئی نہ کوئی مستقل روگ بھی لگا ہوتا ہے اور کوئی نہ کوئی مستقل نعمت بھی اسے حاصل رہتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان کچھ عارضی خوشیاں اور کچھ وقتی تکلیفیں بھی ہر ایک کے ساتھ ہوتی ہیں۔ یہ دونوں آنی جانی چیزیں ہوتی ہیں اور ان میں عموماً انسان کی اپنی اچھی یا بری تدبیروں کو بھی دخل ہوتا ہے۔

ہر مستقل خوشی یا غم کے موقع پر قدرتاً انسان دو گروہوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔ ایک وہ گروہ ہے جو کوئی آفت آنے کے بعد سب سے پہلے صبر سے کام لیتا ہے لیکن صبر کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ مظلوم کی شکل بنا کر خاموش بیٹھ جاتے بلکہ وہ بشری استطاعت کے مطابق اس کے اسباب و علل پر غور کرتا ہے اور اسے ڈھونڈ نکالتا ہے اور آئندہ اس سے محفوظ رہنے کی سعی میں لگ جاتا ہے۔ پھر اگر کوئی دوسرا نقص نظر آئے تو اسے دور کرتا ہے۔ اسی جہدِ مسلسل کا نام ہے صبر۔ اسی سعی پیہم سے وہ اپنی آفتوں کو دور کرتا رہتا ہے اور اپنی مشکلوں پر قابو پا لیتا ہے۔ گویا ہمیشہ ارتقا کی نئی زندگی پیدا کرتا رہتا ہے۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو آفت آنے پر واویلا مچاتا ہے اور اسے قسمت کا کھیل سمجھ کر سارا الزام قدرت پر یا کسی دوسرے انسان پر ڈال دیتا ہے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ کوئی نئی کروٹ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں بیٹھتا۔ بے عملی کی زندگی بسر کرتا ہے اور ہر جگہ اپنی بے بسی کا رونا روتا رہتا ہے یا مظلومیت کی داستان دہراتا رہتا ہے۔ ہمت ہار کر مایوس ہو جاتا ہے۔ زندگی کی کشمکش کا مقابلہ نہیں کرتا۔

اول الذکر گروہ کا اندازِ عمل اسلامی ہے اور دوسرے کا کافرانہ۔ پہلا گروہ ہر ابتلا سے ایک نیا فائدہ حاصل کرتا ہے اور پہلے سے زیادہ چوکس اور چاق چوبند ہو جاتا ہے۔ وہ قدرت پر الزام نہیں دھرتا بلکہ اس ابتلا کو رحمت سمجھ کر اس کے اندر سے خیر تلاش کر لیتا ہے۔ اگر موت کی طرح کوئی مشکل اس کے لیے لا علاج ہو تو اسے بھی مصلحتِ خداوندی سمجھ کر اللہ پر اپنا پورا اعتماد قائم رکھتا ہے اور اسے اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھ کر خوش رہتا ہے اور دوسرے گروہ کا اندازِ زیست اس کے بالکل خلاف ہوتا ہے۔ وہاں صرف بے صبری، واویلا، شکوہ و گلہ، بے عملی اور مایوسی ہوتی ہے۔ ابتلا میں دونوں ہی گروہ پڑتے ہیں لیکن ایک خاص زاویۂ نظر یا رویہ ہوتا ہے جو دونوں میں فرق پیدا کرتا ہے۔ یہی ہے وہ حقیقت جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

صحیح مسلم میں عبداللہ بن کعب سے ایک اور روایت بھی ہے جس میں مومن اور منافق میں فرق کی بڑی عمدہ تشبیہ یوں دی گئی ہے:

مثل المؤمن کالخامۃ من الزرع تفیئھا الریح مرۃ وتعدلھا مرۃ۔ ومثل المنافق کالارزۃ، لا تزال حتی یکون انجعافھا مرۃ واحدۃ۔

مومن کی مثال کھیت کی اس نرم ٹہنی جیسی ہے جسے ہوا کبھی ادھر کبھی ادھر لچکاتی رہتی ہے اور کبھی اس سے کھیل کرتی رہتی ہے اور منافق کی مثال اس صنوبر جیسی ہے جو بے لچک قائم تو رہتا ہے لیکن ایک بار مکمل طور پر اکھڑ جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مومن ہر سرد و گرم سے گزرتا ہے لیکن وہ اسے صبر سے برداشت کرتا جاتا ہے اور اس کا نمو جاری رہتا ہے اور منافق مضبوط درخت کی طرح قائم رہنے کے باوجود ایک ہی جھونکے میں جڑ سے اکھڑ کر ختم ہو جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com